امام علیؑ کی نگاہ میں وحدت کی ضرورت اور اہمیت

(نہج البلاغہ کے تناظر میں)

ڈاکٹر محمد افضل*
dr.muhammadafzalkarimi@gmail.com

کلیدی کلمات: اسلامی وحدت، سیرت رسولؐ، اہل کوفہ، خوارج، مسلمان معاشرہ

خلاصہ

نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں ہمیشہ مسلمانوں کی وحدت کی اہمیت اور ضرورت کو اجاگر کیا اور اسلامی ریاست کے آغاز ہی میں موائخاتِ اسلامی کے ذریعے مسلمانوں کو اسلامی بھائی چارگی کے بندھن میں باندھ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں باہمی نظریاتی اختلافات کے باوجود ہمیشہ دینِ اسلام کے اعلیٰ اہداف کو مدّ نظر رکھتے ہوئے باہمی اخوّت اور بھائی چارے سے زندگی گزارنا چاہیے۔ اگرچہ علمی اختلاف رائے کوئی عیب نہیں ہے تاہم تمام مسلمانوں کو آپس میں وحدت اور مسالمت کی زندگی گزارنا چاہیے۔
یہ موضوع حضرت امام علی علیہ السلام کی نظر میں بہت اہمیّت کا حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے مختلف مواقع پر اس کی ضرورت اور اہمیت کو بیان کیا ہے اور معاشرے میں تفرقے کے نقصانات کی طرف توجہ دلائی ہے۔ سید رضیؒ نے امام علیؑ کے خطبات، مکتوبات اور کلمات قصار کو نہج البلاغہ کے نام سے جمع کیا ہے جو آج تک ایک علمی ورثے کی شکل میں زندہ وجاوید ہے۔ امامؑ کے ان نورانی فرامین سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قوموں کی عزت و شرافت اتحاد میں مضمر ہے۔ اگر امت اسلامی کا درد اور دینی غیرت رکھنے والے ہوشیاری اور تدبر کے ساتھ کوشش کریں تو ممکن ہے کہ اختلاف میں کسی حد تک کمی آجائے۔ یہ کوشش امت محمدیہ اور اسلامی دنیا کی سب سے بڑی خدمت ہوگی یہی امام علی علیہ السلام کی خواہش بھی ہے اور ان کی سیرت بھی۔

مقدمہ

وحدت اسلامی کی اہمیت اور ضرورت ظہور اسلام سے ہی نمایاں رہی ہے۔ اس کی اہمیت کے لئے یہی کافی ہے کہ وحدت اسلامی قرآن کریم میں مسلمانوں کی شان و شوکت اور ان کی عظمت کی پاسداری کے عنصر کے طور پر اجاگر ہوا ہے اور کئی آیتوں میں خدا نے مسلمانوں کو اختلاف اور تفرقے سے شدت کے ساتھ منع کیا ہے اور اس کے خطرناک عواقب کی طرف متوجہ کیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ صاحب قرآن، نبی مکرم اسلام ﷺ نے بھی اپنی حیات طیبہ میں عملی اور کلامی طور پر اس کی ضرورت اور اہمیت کو اجاگر کیا اور آپؐ نے مدینہ میں اسلامی ریاست کی تشکیل کے پہلے سال ہی مواخات اسلامی کے ذریعے مسلمانوں کو اسلامی بھائی چارگی کے بندھن میں باندھ دیا۔ جنگ ہو یا امن، سفر ہو یا حضر، خوشی ہو یا غم، تنگی ہو یا فراوانی۔۔۔ غرض آپؐ نے اپنی پوری حیات طیبہ کو وحدت اور انسجام کا عملی نمونہ بنا کے مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ جس سے برادری اور بھائی چارگی کی ایک نئی تصویر دنیا کے سامنے آئی۔ آپؐ کے وصال کے بعد آپؐ کے جانشینوں نے بھی اس اہم اسلامی میراث سے مشکل وقت بھی اغماض نظر نہیں کیا اور ہر قسم کی زیادتی اور ظلم کا سامنا کرنے کے باوجود اپنی ذات اور اپنے مفادات کو کسی بھی مرحلے پر اسلامی وحدت و یکجہتی پر فوقیت نہیں دی۔
اس میں کوئی شک نہیں مسلمانوں کے دو مکاتب (شیعہ و سنی) کے درمیان اختلافات صرف فقہی اور فرعی ہی نہیں، بلکہ اعتقادات میں بھی اختلاف نظر پایا جاتا ہے۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ اہل تشیع کے تین بڑے مکتب فکر ہیں جن کو اسماعیلیہ، زیدیہ اور جعفریہ یا اثنا عشریہ

---

*۔ شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

کہتے ہیں۔ اسی طرح اہل سنت میں مذاہب اربعہ کے علاوہ وہابی فرقہ بھی ہے۔ اسی طرح علم کلام کے مباحث اشاعرہ، معتزلہ اور کرامیہ کے اختلافات پر مشتمل ہیں۔ متنوع مسائل میں اہل حدیث اور اہل سنت کے فقہا کی روش اور طور طریقوں کے درمیان بھی اختلافات موجود ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ سب مسلمان برادرانہ زندگی گزار رہے ہیں۔ علمی اختلاف رائے کوئی عیب نہیں ہے۔ ہم ان سارے انسانوں کو، جو اختلاف نظر رکھتے ہیں، ایک ہی براعظم، ایک ہی ملک، ایک ہی شہر، ایک ہی گاوں، یہاں تک کہ ایک ہی گھر کے اندر امن وسکون کی زندگی گزارتا دیکھ سکتے ہیں۔ دنیاکے بعض علاقوں میں وہ عملاً دشمنی اور نزاع سے دور رہ کر اپنے اپنے خاص نظریات کی حفاظت کرتے ہوئے ایک مسالمت آمیز زندگی بسر کر رہے ہیں۔

آج مغربی دنیامیں قائم مختلف قسم کے اتحاد کا ہم مشاہدہ کر سکتے ہیں، یورپی اتحاد، نیٹو کا اتحاد، اسی طرح مختلف قسم کے سیاسی اور اقتصادی اتحاد کے ذریعے وہ اپنی انفرادی طاقت کو یکجا کر رہے ہیں، جس نے انہیں سرحدی حد بندیوں سے آزاد کر دیا ہے، وہ ایک ہی گھر کے افراد شمار ہوتے ہیں اور درد مشترک رکھتے ہیں، غرض یورپ اور مغرب کی دور اندیشی نے انہیں وحدت کے سایے میں ایک عظیم قوم کی شکل میں دنیاکے سامنے نمودار کر دیا ہے۔ جب مادی معاملات کو سامنے رکھتے ہوئے وسیع تر اتحاد قائم ہو سکتا ہے۔ توپھر کیوں ہم ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد واتفاق کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے تیار نہیں ہیں، جبکہ ہم مادی معاملات سے بڑھ کے معنوی اور ایمانی رشتے میں بھی بندھے ہوئے ہیں۔ امام علیؑ نے رسول اکرم ﷺ کے حقیقی وارث ہونے کے ناطے اس اہم موضوع کو عملی طور پر زندہ رکھنے کے ساتھ مختلف مواقع پر اس کی ضرورت اور اہمیت کو بھی بیان کیا ہےاور معاشرے میں تفرقے کے نقصانات اور عواقب کی طرف توجہ دلائی ہے۔ سید رضیؒ نے امام علی علیہ السلام کے خطبات، مکتوبات اور کلمات قصار کو نہج البلاغہ کے نام سے جمع کیا ہے جو آج تک ایک علمی ورثے کی شکل میں زندہ وجاوید ہے۔

اتحاد اور وحدت عظیم نعمت

نہج البلاغہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام علی علیہ السلام اسلامی اتحاد کو خدا کی عظیم نعمتوں میں سے قرار دیتے تھے۔ اسی لیے آپ نے کوفیوں کی شدید الفاظ میں مذمت کی۔ چونکہ انہوں نے اس الٰہی نعمت کی قدر نہیں کی تھی اس ضمن میں آپ نے فرمایا:

"دیکھو تم نے اطاعت کے بندھوں سے اپنے ہاتھ چھڑا لیااور زمانہ جاہلیت کے طور طریقوں سے اپنے گرد کھچے ہوئے حصار میں رخنہ ڈال دیا خداوند عالم نے اس امت کے لوگوں پر اس نعمت بے بہاکے ذریعہ سے لطف واحسان فرمایا ہے کہ جس کی قدر وقیمت کو مخلوقات میں سے کوئی نہیں پہچانتا کیونکہ وہ ہر ٹھہرائی ہوئی قیمت سے گراں تر اور ہر شرف وبلندی سے بالاتر ہے۔ اور وہ یہ کہ ان کے درمیان انس و یکجہتی کا رابطہ قائم کیا کہ جس کے سایہ میں وہ منزل کرتے ہیں، اور جس کے کنار (عاطفت) میں پناہ لیے ہیں"۔

اسی طرح آپ نے وحدت کو خداکا عظیم احسان قرار دیا ہے اس سلسلے میں آپ نے فرمایا:

"دیکھو کہ اللہ نے ان پر کتنے احسانات کئے کہ ان میں اپنا رسولؐ بھیجا کہ جس نے اپنی اطاعت کاانہیں پابند بنایا اور انہیں ایک مرکز وحدت پر جمع کر دیا"۔ (1)

امام علی علیہ السلام کی نگاہ میں اختلاف اور تفرقہ در حقیقت اسلامی تعلیمات کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے جس کو کوفیوں نے اپنایا تھاامام نے اسی وجہ سے کئی مرتبہ ان کی مذمت کی۔ ان کے درمیان دور جاہلیت کی برائیوں نے پنپنا شروع کیا تھا۔ ظہور اسلام سے پہلے عرب معاشرے میں جنگوں اوراختلافات نے لوگوں کاسکون چھین لیا تھا۔ اس قسم کی جنگیں عرب کے مختلف قبائل کے درمیان معمولی سی چیزوں پہ ہوتی رہتی تھیں جو نسل در نسل جاری رہتیں۔ ظہور اسلام کے بعد اسلام کی حیات بخش تعلیمات کی روشنی میں ان کے درمیان موجود تمام جاہلی عصبیتیں ختم ہو گئیں، بھائی چارگی کی ایک نئی فضا نے جنم لیا جس نے معاشرے کو امن ومحبت کا گہوارہ بنا دیا۔ امام علیؑ اس دور کے لوگوں کو اس نعمت بے بدیل کی یاد دہانی کرا رہے ہیں تاکہ گزشتہ سے درس لیتے ہوئے اپنے رہبر و رہنما کی فرامین پہ کان دھر کے اتحاد کی نعمت سے مالا مال ہوں۔

امامؑ کی نگاہ میں اتحاد کی اہمیت اس بات سے بھی عیاں ہوتی ہے کی آپ نے اُمت کی مجموعی مصلحت کی خاطر وفات رسولؐ کے بعد اپنے مسلمہ اور منصوص حقوق کے بارے میں چشم پوشی سے کام لیا جو آج بھی اُمت کے لیے ایک درس ہے۔ ہم بہت سے جزئی معاملات میں اُمت کے اہم مصالح کو پامال کرنے سے دریغ نہیں کرتے ہیں، جو اُمت کو ناقابل تلافی نقصان سے دوچار کر رہا ہے۔ آپ اس حوالے سے فرماتے ہیں:

''پھر جب رسول ﷺ کی وفات ہو گئی تو ان کے بعد مسلمانوں نے خلافت کے بارے میں کھینچاتانی شروع کر دی۔ اس موقع پر بخدا مجھے یہ کبھی تصور بھی نہیں ہوا تھا اور نہ میرے دل میں یہ خیال گزرا تھا کہ پیغمبر ﷺ کے بعد عرب خلافت کا رخ ان کے اہل بیتؑ سے موڑیں گے اور نہ یہ کہ ان کے بعد اُسے مجھ سے ہٹا دیں گے۔''

آپ نے خلافت ظاہری کو دین کی خاطر قبول کیا، چونکہ مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے اسلام ہی وحدت اسلامی کا بنیادی عامل ہے اگر ظہور اسلام کے بعد مسلمان ایک پلیٹ فارم پر متفق نظر آئے تھے تو اس کا سبب دین مبین اسلام ہی تھا جس نے ایک ہی صف میں سب کو یکجا کیا۔ آپ اس حوالے سے فرماتے ہیں:

''یہاں تک میں نے دیکھا کہ مرتد ہونے والے اسلام سے مرتد ہو کر محمد ﷺ کے دین کو مٹا دالنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ اب میں ڈرا کہ اگر کوئی رخنہ یا خرابی دیکھتے ہوئے میں اسلام اور اہل اسلام کی مدد نہ کروں گا تو یہ میرے لیے اس سے بڑھ کر مصیبت ہو گی جتنی یہ مصیبت کہ تمہاری یہ حکومت میرے ہاتھ سے چلی جائے جو تھوڑے دنوں کا اثاثہ ہے۔ اس میں کی ہر چیز زائل ہو جائے گی۔ اس طرح جیسے سراب بے حقیقت ثابت ہے یا جس طرح بدلی چھٹ جاتی ہے چناچہ میں ان بدعتوں کے ہجوم میں اٹھ کھڑا ہوا یہاں تک کہ باطل دب کر فنا ہو گیا اور دین محفوظ ہو کر تباہی سے بچ گیا۔'' (2)

امام علیؑ کے اس کلام سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ میں وحدت اسلامی کی از حد اہمیت تھی انہوں نے سالہا سال تنہائی میں زندگی گزارنے کے بعد اُمت کی شدید خواہش پر زمام حکومت اسلامی اتحاد کی بنیاد (اسلام) کو محفوظ بنانے کے لیے قبول کی تھی۔

آپؑ نے اسلامی اتحاد کو معاشرے میں عملی شکل دینے کے لیے جزئی معاملات میں آپس میں الجھنے سے مسلمانوں کو منع کیا ہے، چونکہ مسلمانوں کے پاس مشترکات ہی وہ عوامل ہیں جن کو بنیاد بنا کر اتحاد قائم کیا جا سکتا ہے جیسا کہ امامؑ ان لوگوں مذمت کر رہے ہیں جو فرعی اور جزئی احکام میں آپس میں دست گریباں ہوتے ہیں:

''جب ان میں سے کسی ایک کے سامنے کوئی معاملہ فیصلہ کے لیے پیش ہوتا ہے تو وہ اپنی رائے سے اس کا حکم لگا دیتا ہے پھر وہی مسئلہ بعینہٖ دوسرے کے سامنے پیش ہوتا ہے تو وہ اس پہلے کے حکم کے خلاف حکم دیتا ہے پھر یہ تمام کے تمام قاضی اپنے اس خلیفہ کے پاس جمع ہوتے ہیں جس نے انہیں قاضی بنا رکھا ہے تو یہ وہ سب کی رایوں کو صحیح قرار دیتا ہے حالانکہ ان کا اللہ ایک، نبی ایک اور کتاب ایک ہے (انہیں غور کرنا چاہئے) کیا اللہ نے انہیں اختلاف کا حکم دیا تھا اور یہ اختلاف کر کے اس کا حکم بجا لاتے ہیں یا اس نے حقیقتاً اختلاف سے منع کیا ہے اور یہ اختلاف کر کے عمداً اُس کی نافرمانی کرنا چاہتے ہیں۔'' (3)

مشترکات کو بنیاد بنانے کی ضرورت

اسی طرح آپ نے صفین کے حالات کو بیان کرتے ہو ایک مکتوب میں بھی اسلامی اتحاد کی بنیادوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن کی موجودگی میں فرعی اختلافات کو نزاع کا مسئلہ بنایا نہیں جا سکتا ہے: ''ابتدائی صوتحال یہ تھی کہ ہم اور شام والے آمنے سامنے آئے۔ اس حالت میں کہ ہمارا اللہ ایک، نبی ایک اور دعوت اسلام ایک تھی، نہ ہم ایمان باللہ اور اس کے رسول کی تصدیق میں ان سے کچھ زیادتی چاہتے تھے، اور نہ وہ ہم سے اضافہ کے طالب تھے بالکل اتحاد تھا۔'' (4)

بنابر ایں مذکورہ بالا فرمائشات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلامی اتحاد کے لیے مشترکات کو بنیاد بنانے کی ضرورت ہے۔ اُمت کے درمیان اگر کوئی معاشرتی، سیاسی یا فرعی اور جزئی اختلاف پیدا ہو جائے تو مشترکات کو سامنے رکھ کے درمیانی حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اسلام کی نگاہ میں

اُمت کے درمیان واضح ترین مشترکات خود خدا کی ذات اقدس، کلام الٰہی اور رسول اکرم ﷺ کی سیرت و سنت ہیں، جن کو بنیاد کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔

قرآن کریم اور اتحاد اسلامی

قرآن کریم کئی جہتوں سے مسلمانوں کے لیے اتحاد کا محور ہے۔ ایک طرف قرآنی تعلیمات تمام انسانوں کے لئے بالعموم اور مسلمانوں کے لیے بالخصوص باعث ہدایت واتحاد ہیں جن میں تفرقے کی مذمت اور گزشتہ اقوام کی تفرقہ آمیز سرگزشت بیان ہوئی ہے۔ جن سے درس لے کے اتحاد کی رسی کو مضبوط بنایا جاسکتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف خود اس کتاب کا کلام الٰہی ہونا اور عموم مسلمین کے نزدیک اس کی حجیت اور قبولیت بھی اتحاد کا اہم عامل ہے۔ یعنی تمام مسلمان اس بات پر بلا تفریق عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ کلام الٰہی ہے اور اس کا احترام اور اقبال سب پر فرض ہے۔

امام علیؑ نے کئی موارد میں قرآن کریم کی اہمیت کو بیان کیا ہے، چونکہ ہمارا موضوع نہج البلاغہ میں امامؑ کے ارشادات کی حد تک ہے۔ اسی لیے نہج البلاغہ میں امامؑ کے جو اقوال اور ارشادات نقل ہوئے ہیں ان پر ہی اکتفا کیا جارہا ہے۔ نہج البلاغہ میں کئی ایسے موارد ہیں جن مین امامؑ نے قرآن کی اہمیت اور ضرورت کو واضح کیا ہے۔ قبیلہ ربیعہ اور یمن کے درمیان صلح کے موقع پر آپؑ نے اس الہی منبع کے حوالے سے فرمایا کہ:

> ''یہ وہ معاہدہ ہے جس پر اہل یمن نے وہ شہری ہوں یا دیہاتی اور قبیلہ ربیعہ نے خواہ وہ شہر میں آباد ہوں یا بادیہ نشین ہوں سب نے اتفاق کیا ہے کہ وہ سب کے سب کتاب اللہ پر ثابت قدم رہیں گے، اس کی طرف دعوت دیں گے، اسی کے ساتھ حکم دیں گے اور جو اس کی طرف دعوت دے گا اور اس کی رو سے حکم دے گا اس کی آواز پر لبیک کہیں گے، نہ اس کے عوض کوئی فائدہ چاہیں گے، اور نہ اس کے کسی بدل پر راضی ہوں گے اور جو کتاب اللہ کے خلاف چلے گا اور اسے چھوڑے گا اس کے مقابلہ میں متحد ہو کر ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں گے۔'' (5)

اس کے علاوہ آپ نے حکمیت کے معاملے میں بھی قرآن کی اہمیت اور ضرورت کی طرف اشارہ فرمایا:

> ''ہم نے آدمیوں کو نہیں، بلکہ قرآن کو حکم قرار دیا تھا، چونکہ یہ قرآن دو دفتیوں کے درمیان ایک لکھی ہوئی کتاب ہے کہ جو زبان سے بولا نہیں کرتی اس لیے ضرورت تھی کہ اس کے لیے کوئی ترجمان ہو اور وہ آدمی ہی ہوتے ہیں جو اس کی ترجمانی کیا کرتے ہیں۔ جب ان لوگوں نے ہمیں یہ پیغام دیا کہ ہم اپنے درمیان قرآن کو حکم ٹھہرائیں تو ہم ایسے لوگ نہ تھے کہ اللہ کی کتاب سے منہ پھیرے لیتے۔ جبکہ حق سبحانہ کا ارشاد ہے کہ اگر تم کسی بات میں جھگڑا کرو تو (اس کا فیصلہ نپٹائے کے لیے) اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔ اللہ کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کی کتاب کے مطابق حکم کریں۔'' (6)

اسی طرح آپ نے ابو موسی اشعری اور عمرابن عاص کو حکم معین کرنے کے علل واسباب بیان کرتے ہوئے قرآنی تعلیمات کو زندہ کرنے کو بنیادی ہدف اور سبب قرار دیا:

> ''اور وہ دونوں (ابو موسیٰ، عمرو ابن عاص) تو صرف اس لیے ثالث مقرر کیے گئے تھے کہ وہ انہی چیزوں کو زندہ کریں جنہیں قرآن نے زندہ کیا ہے اور انہی چیزوں کو نیست و نابود کریں جنہیں قرآن نے نیست و نابود کیا ہے۔ کسی چیز کے زندہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس پر یکجہتی کے ساتھ متحد ہوا جائے اور اس کے نیست و نابود کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے علیحدگی اختیار کرلی جائے۔'' (7)

اس کے علاوہ بھی ایسے موارد بھی ہیں جہاں امام علیؑ نے قرآن کی اہمیت اور مسلمانوں کے نزدیک اجتماعی طور پر اس کی اقبالیت کو بیان کیا ہے اور لوگوں کو باور کرایا ہے کہ اگر قرآن کی تعلیمات پر غور کیا جائے تو مسلمانوں کی اجتماعی اور سیاسی مسائل کا آسان حل دریافت کیا جاسکتا ہے اور اہل بیتؑ کی عظمت اور اسلام کی سیاسی اور مذہبی قیادت کی درست سمت کا بھی تعین ہو سکتا ہے۔

رسالت سرچشمہ وحدت

رسول اکرم ﷺ کی رسالت اور پیغام رسالت وہ اہم محور ہے جس نے تمام مسلمانوں کو اپنے حصار میں لیا ہوا ہے۔ تمام اسلامی مسالک فرعی اور جزئی اختلافات رکھنے کے باوجود ان میں یہ اجماعی نظر ہے کہ آپ ﷺ کی شخصیت اور آپؐ کی سیرت وسنت وہ اہم عوامل ہیں جن کو اپنے عقیدے کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ یہ ہرگز ممکن نہیں کہ کوئی پیغمبر اکرم ﷺ کی رسالت اور آپؐ کی سنت اور سیرت کا سرے سے منکر ہو اور دوسری طرف خود کو مسلمان بھی کہلوائے۔ بنابرایں مسلمانوں کو تمام تر فروعی اختلافات کے باوجود جن چیزوں نے اٹوٹ رشتے میں باندھ کر رکھا ہے ان میں سے ایک پیغمبر ﷺ کی رسالت بھی ہے۔ نہج البلاغہ میں بھی کئی موارد میں امام علیؑ نے رسول ﷺ کی رسالت کی اہمیت اور اس کے تاریخی کردار کو واضح انداز میں بیان کیا ہے۔ اس سلسلے میں آپؑ نے فرمایا:

''اسی طرح مدتیں گزر گئیں، زمانے بیت گئے، باپ داداؤں کی جگہ پر ان کی اولادیں بس گئیں یہاں تک کہ اللہ سبحانہ نے ایفائے عہد و اتمام نبوت کے لیے محمد ﷺ کو مبعوث کیا جن کے متعلق نبیوں سے عہد و پیمان لیا جا چکا تھا جن کے علامات (ظہور) مشہور، محل ولادت مبارک و مسعود تھا۔ اس وقت زمین پر بسنے والوں کے مسلک جدا جدا خواہشیں متفرق و پراگندہ اور راہیں الگ الگ تھیں۔'' (8)

اس کے علاوہ آپ نے سرزمین ذی قار میں جو خطبہ دیا اس میں بعثت کے فوائد اور اس کردار کو واضح انداز میں بیان کیا ہے اس سلسلے میں آپؑ نے فرمایا:

''اللہ نے محمد ﷺ کو اس وقت بھیجا جب کہ جب عربوں میں کوئی کتاب (آسمانی) پڑھنے والا کوئی نہیں تھا نہ کوئی نبوت کا دعوے دار۔ آپؐ نے ان لوگوں کو ان کے صحیح مقام پر اتارا، اور نجات کی منزل پر پہنچا دیا۔ یہاں تک کہ ان کے سارے خم جاتے رہے اور حالات محکم واستوار ہو گئے۔'' (9)

اسی طرح ایک اور خطبے میں آپؑ نے بعثت رسول ﷺ کی وجہ سے معاشرے میں جو تبدیلیاں رونما ہوئیں انہیں بیان کیا۔ یقیناً یہ تمام چیزیں بعد میں ایک متحد اور منظّم معاشرے کے لیے زمینہ ساز واقع ہوئیں اس حوالے سے آپؑ نے فرمایا:

''پیغمبر ﷺ کو اس وقت میں بھیجا کہ جب لوگ حیرت و پریشانی کے عالم میں گم کردہ راہ تھے اور فتنوں میں ہاتھ پیر مار رہے تھے۔ نفسانی خواہشوں نے انہیں بھٹکا دیا تھا اور غرور نے بہکا دیا تھا اور پھر جاہلیت نے ان کی عقلیں کھو دی تھیں اور حالات کے ڈانواں ڈول ہونے اور جہالت کی بلاؤں کی وجہ سے حیران و پریشان تھے چنانچہ نبی ﷺ نے انہیں سمجھانے کا پورا حق ادا کیا خود سیدھے راستے پر جمے رہے اور حکمت و دانائی اور اچھی نصیحتوں کی طرف انہیں بلاتے رہے۔'' (10)

اس طرح آپ نے بعثت رسول ﷺ کو عرب معاشرے میں جاری کدورتوں کے شعلوں کو بجائے الفت و محبت کے چراغ روشن ہونے کا باعث قرار دیا یہ سب کچھ آنحضرت ﷺ کی بعثت اور آپ کی سعی مسلسل کی وجہ سے کم مدت میں ہی سامنے آئی۔ آپ نے اس حقیقت کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

''خدا نے ان (آنحضرتؐ) کی وجہ سے فتنے دبا دیئے اور عداوتوں کے شعلے بجا دیئے بھائیوں میں الفت پیدا کی اور جو (کفر میں) اکٹھے تھے انہیں علیحدہ علیحدہ کر دیا۔'' (11)

امام علیؑ کے ان نورانی ارشادات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں کے لیے کسی بھی مشکل مرحلے میں بلا تفریق قرآن اور صاحب قرآن ﷺ کی مودت اور اطاعت کو اپنی زندگی کا شیوہ قرار دینے کی ضرورت ہے تاکہ فوز حقیقی کے مستحق قرار پائیں۔ امامؑ کے کلام سے یہ بات بھی واضح ہوئی کی خدا نے انسانوں کو جنگ وجدال اور کفر وجہل کی تاریکیوں سے نکالنے کے لئے قرآن کو اپنے حبیب، نبی مکرم اسلام ﷺ پر نازل کرکے انہیں مبعوث بہ رسالت کیا۔

اس وقت کا عرب معاشرہ قبائلی اور نسلی اختلافات کا شکار تھا جس کے سبب کئی نسلیں بے مقصد جنگوں اور اختلافات کی نظر ہو گئی تھی اور کئی صدیوں سے جاری ان جنگوں نے انہیں بالآخر ایک نئی تبدیلی کا منتظر بنا دیا تھا اور وہ اندر سے کسی ایسی تبدیلی کے خواہاں تھے جو انہیں وحشت و

بربریت سے نکال کر امن و محبت کے راستے پر گامزن کرے۔ اسی دوران رسول اکرم ﷺ کی بعثت ان کے لیے رحمت و برکت کا باعث ہوئی۔ اور وہ لوگ جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے ایک دم الفت و محبت کے رشتے میں بندھ گئے۔

یہ معاملہ زمان نزول قرآن تک محدود نہیں۔ زمانے کے گزرنے کے ساتھ آج مسلمانوں میں وہی زمانہ جاہلیت کی خصلتیں آہستہ آہستہ سامنے آ رہی ہیں اور ایک دوسرے کو برداشت نہ کرنے کی سنت جاہلی نے آج ہر مسلمان کے گھر بسیرا کر لیا ہے ایسے میں امام علیؑ کے ان فرامین پر غور کرکے صدر اسلام کی طرح مسلمانوں کے درمیان مشترکات کی بنیاد پر دوبارہ اسلامی بھائی چارگی کو قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے پاس قرآن اور رسول اکرم ﷺ وہ سرمایہ حیات جن پر ہم متفق ہیں۔

لہٰذا آج اس بات کی اشد ضرورت ہیں کہ ہم قرآنی تعلیمات کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کی سیرت اور سنت کو وحدت کے احیاکے لیے بنیاد بنائیں۔ جب ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام ایک پرامن اور صلح وآشتی کا مذہب ہے تو اس عقیدہ کا آغاز اپنے ہی گھر سے شروع کرنے کی ضرورت ہے۔ جب ہم اپنے آشیانے کو تفرقے کی آگ سے جلاکے دوسروں کا گھر روشن کرنے کی کوشش کریں تو کوئی ہماری بات پر یقین نہیں کرے گا۔ چونکہ آج کے دور میں معقولات سے محسوسات پر زیادہ بھروسہ کیا جاتا ہے لہٰذا جو ہم کہتے ہیں وہ عملی طور پر کر دکھانے کی بھی ضرورت ہے۔

حاکم اور رعایا کے فرائض

اس کے علاوہ امام علیؑ نے وحدت اسلامی کے تحقق کے لیے ان تمام ابزار اور وسائل سے استفادہ کیا جو مستقیم یا غیر مستقیم طور پر کارگر ثابت ہو سکتے ہیں۔ نیز آپؑ نے ان تمام اسلامی اقدار کو بھی بیان کیا جو وحدت اسلامی کو معاشرے میں دوام بخشنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اسی ضمن میں آپؑ نے حاکم اور رعایا کو معاشرے کے دو اہم عناصر کے طور پر متعارف کراتے ہوئے ان میں سے ہر ایک کے دوسرے پر جو حقوق ہیں ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا چونکہ معاشرے کے ان دو اہم ستونوں کے درمیان اگر توازن باقی نہ رہے تو ہرج ومرج پیدا ہونے کے قوی امکانات پیدا ہوتے ہیں۔ اسی سلسلے میں آپؑ نے فرمایا:

> ”سب سے بڑا حق کہ جسے اللہ سبحانہ نے واجب کیا ہے حکمران کا رعیت پر اور رعیت میں سے ہر ایک کے لئے فریضہ بنا کر عائد کیا ہے اور اسے ان میں رابطہ محبت قائم کرنے اور ان کے دین کو سرفرازی بخشنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ رعیت اسی وقت خوش حال رہ سکتی ہے جب حاکم کے طور طریقے درست ہوں اور حاکم اسی وقت صلاح و درستگی سے آراستہ ہو سکتا ہے جب رعیت اس کے احکام کی انجام دہی کے لیے آمادہ ہو۔“ (12)

اسی سلسلے میں آپؑ نے مزید فرمایا: ”جب رعیت فرمانروا کے حقوق پورے کرے اور فرمانروا رعیت کے حقوق سے عہدہ برآ ہو تو ان میں حق باوقار، دین کی راہ میں استوار اور عدل وانصاف کے نشانات برقرار ہو جائیں گے اور پیغمبر ﷺ کی سنتیں اپنے ڈھرے پر چل نکلیں گی اور زمانہ سدھر جائے گا۔ بقائے سلطنت کے توقعات پیدا ہو جائیں گے اور دشمنوں کی حرص وطمع یاس و ناامیدی سے بدل جائے گی اور جب رعیت پر ظلم ڈھانے لگے تو اس موقع پر ہر بات میں اختلاف ہوگا، ظلم کے نشانات ابھر آئیں گے، دین میں مفسدے بڑھ جائیں گے، شریعت کی راہیں متروک ہو جائیں گی، خواہشوں پر عمل درآمد ہوگا۔ شریعت کے احکام ٹھکرا دیئے جائیں گے، نفسانی بیماریاں بڑھ جائیں گی اور بڑے سے بڑے حق کو ٹھکرا دینے اور بڑے سے بڑے باطل پر عمل پیرا ہونے سے بھی کوئی نہ گھبرائے گا۔ ایسے موقع پر نیکوکار، ذلیل اور بدکار، باعزت ہو جاتے ہیں اور بندوں پر اللہ کی عقوبتیں بڑھ جاتی ہیں۔ لہٰذا اس حق کی ادائیگی میں ایک دوسرے کو سمجھانا بجھانا اور ایک دوسرے سے بخوبی تعاون کرنا تمہارے لئے ضروری ہے اس لیے کہ کوئی شخص بھی اللہ کی اطاعت و بندگی میں اس حد تک نہیں پہنچ سکتا کہ جس کا وہ اہل ہے، چاہے وہ اس کی خوشنودیوں کو حاصل کرنے کے لیے کتنا ہی حریص ہو، اور اس کی عملی کوششیں بھی بڑھی چڑھی ہوئی ہوں۔ پھر بھی اس نے بندوں پر یہ حق واجب قرار دیا ہے کہ وہ مقدور بھر نصیحت کریں اور اپنے درمیان حق کو قائم کے لئے ایک دوسرے کا ہاتھ بٹھائیں۔“ (13)

امام علیؑ کے ان فرامین سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ معاشرے میں امن اور اتحاد کے قیام میں حاکم وقت کا طرز عمل انتہائی اہمیت کا حامل ہے اسی ضمن میں رعایا کے حقوق کا خیال رکھنا اور رعایا کی جانب سے بھی اس قسم کا طرز عمل معاشرے میں ثبات اور وحدت کے لیے لازم وملزوم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام علیؑ نے اپنے دور اقتدار میں رعایا کے حقوق کو اولیت دی اور اس معاملے میں کسی سے کوئی سمجھوتا نہیں کیا۔

حاکمیت اور وحدت

معاشرے میں ثبات اور یکجہتی کے قیام میں حاکمیت کا کردار انتہائی اہم ہے جس معاشرے کے اندر حاکمیت نہیں وہ انتشار کا شکار رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ کئی احادیث میں معاشرے میں زمامدار اقتدار کا ہونا معاشرے کے لیے لازمی قرار دیا گیا ہے چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اقتدار اور حاکمیت کی موجودگی میں کم از کم معاشرہ انتشار سے دوچار نہیں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ امام علیؑ نے اپنے منصوص اور مسلم حقوق کی پامالی کے دوران بھی حاکمان وقت کو اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ آپؑ کی نگاہ میں معاشرے میں ایک حاکم کا ہونا ضروری ہے، مشکل وقت میں معاشرے اور دین کو نقصان سے بچانے کے لئے ان سے تعاون اور ہمکاری کرنا ایک معقول اور دانشمندانہ عمل ہے۔ خلیفہ دوم حضرت عمر کے دور خلافت میں مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان جنگ قادسیہ وقوع پذیر ہوئی تو آپؑ نے خلیفہ دوم کو مفید اور کارآمد مشوروں سے نوازا اور اس ضمن میں فرمایا:

"امور (سلطنت) میں حاکم کی حیثیت وہی ہوتی ہے جو مہروں میں ڈورے کی جو انہیں سمیٹ کر رکھتا ہے۔ جب دورا ٹوٹ جائے تو سب مہرے بکھر جائیں گے اور پھر کبھی سمٹ نہ سکیں گے آج عرب والے اگرچہ گنتی میں کم ہیں مگر اسلام کی وجہ سے وہ بہت ہیں اور اتحاد باہمی کے سبب سے (فتح) وغلبہ پانے والے ہیں تم اپنے مقام پر کھوٹنی کی طرح جمے رہو اور عرب کا نظم ونسق برقرار رکھو اور ان ہی کو جنگ کی آگ کا مقابلہ کرنے دو۔" (14)

اسی تناظر میں ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا:

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مجھ سے زیادہ کوئی شخص بھی امت محمد ﷺ کی جماعت بندی اور اتحاد باہمی کا خواہشمند نہیں ہے جس سے میری غرض صرف حسن ثواب اور آخرت کی سرفرازی ہے۔ میں نے جو عہد کیا ہے اسے پورا کرکے رہوں گا۔" (15)

تفرقہ بازی سے اجتناب

ہر چیز کے کچھ آفات ہوا کرتی ہے اسی طرح محبت اور انس کے لئے بھی کچھ آفات ہیں جن سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ تفرقہ بھی ایک ایسی آفت اور وبا ہے جس سے معاشرے میں انتشار اور دشمنیاں جنم لیتی ہیں۔ جب ہم گزشتہ اقوام کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ تفرقہ انگیزی کی وجہ سے وہ انتشار سے دوچار رہے۔ بنابر ایں امامؑ بھی اس بات کی تاکید فرمارہے ہیں کہ گزشتہ اقوام سے درس لینے کی ضرورت ہے جو قوم ان چیزوں سے اجتناب کرتی ہے وہ وحدت اور یکجہتی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتی ہے۔ اسی ضمن میں آپؑ نے فرمایا:

"جو تم سے پہلی امتوں پر ان کے بداعمالیوں اور بدکردایوں کی وجہ سے نازل ہوئے اور اپنے اچھے اور برے حالات میں ان کے احوال و واردات کو پیش نظر رکھو اور اس امر سے خائف وترساں رہو کہ کہیں تم بھی انہی کے ایسے نہ ہو جاو۔ اگر تم نے ان کی دونوں (اچھی، بری) حالتوں پر غور کر لیا تو پھر ہر اس چیز کی پابندی کرو کہ جس کی وجہ سے عزت وبرتری نے ہر حال میں ان کا ساتھ دیا اور دشمن ان سے دور دور رہے اور عیش وسکون کے دامن ان پر پھیل گئے اور نعمتیں سرنگوں ہو کر ان کے ساتھ ہولیں اور عزت وسرفرازی نے اپنے بندھن ان سے جوڑ لیے (وہ کیا چیزیں تھیں؟) یہ کہ افتراق سے بچے اور اتفاق ویکجہتی پر قائم رہے۔ اسی پر ایک دوسرے کو ابھارتے تھے اور اسی کی باہم سفارش کرتے تھے اور تم ہر اس امر سے بچے رہو جس نے ان کی ریڑھ کی ہڈی کو توڑ ڈالا اور قوت وتوانائی کو ضعف سے بدل دیا۔" (16)

اسی ضمن میں امام علیؑ نے تفرقہ انگیزی کی وجوہات کو بھی مورد بحث قرار دیا ہے اگرچہ معاشرتی، سیاسی،مذہبی اور ذاتی مفادات کی شکل میں میں مختلف قسم کی وجوہات ہو سکتی ہیں مگر امامؑ نے پہلی چیز جس کی وجہ سے معاشرے میں لوگوں کے درمیان انتشار، تفرقہ اور بدگمانیاں پھیل جاتی ہیں اسے خبث باطنی اور سوءِ فکر قرار دیا ہے جنہیں شیطان مختلف اوقات میں اپنے مطیع بندوں کے دلوں پہ القا کرتا ہے۔
امام علیؑ کی نگاہ میں تمام نسلی اور قومی اختلافات کی وجہ شیطان کی پیروی اور اس کے مکروفریب سے غافل رہنا ہے جس کی پکڑ میں آکے معاشرے میں بہت سے افراد اس قسم کے اختلافات کو ہوا دیتے ہیں اسی لیے کئی موارد میں امامؑ نے لوگوں کو شیطان سے چوکنا رہنے کی تاکید کی ہے۔

اتحاد کے فوائد

قدیم الایام سے موجودہ دور تک معاشرے میں عموماً بہت سے لوگ معرفت سے عاری ہونے کی وجہ سے اہم ترین مسائل اور موضوعات کی افادیت سے چشم پوشی کرتے رہے ہیں۔ اسی لیے اسلام میں معرفت حاصل کرنے کی بہت زیادہ تاکید ہوئی ہے خدا کی معرفت، نفس کی معرفت، دین کی معرفت، رہبر و امام کی معرفت۔۔۔غرض گوناگوں معاملات و موضوعات ہیں جن کی معرفت سے ہی انسان ان کی افادیت کو سمجھ سکتا ہے۔ صدر اسلام سے عہد حاضر تک مسلمانوں کے لیے اتحاد امت اہم موضوعات میں سے رہا ہے تاریخی حقائق بھی اس بات کے شاہد ہیں کہ مسلمان جب تک متحد رہے ہیں ان کی طاقت اور عظمت پوری دنیا کے سامنے نمایاں رہی ہے۔ اسی لیے امامؑ نے کئی موارد میں اپنی رعایا کی اس لیے مذمت کی ہے کہ ان میں اتحاد کا فقدان رہا ہے اور وہ اس کی افادیت اور تفرقے کے نقصانات سے ناآشنا ہیں۔ امام کئی مواقع پر اتحاد کی افادیت سے لوگوں کو روشناس کراتے رہے ہیں تاکہ لوگوں میں اتحاد کے حوالے سے معرفت جنم لے۔ اس ضمن میں امامؑ نے نعمتوں کی فراوانی اور مادی و معنوی آسودگی کو اتحاد کے فوائد میں سے شمار کیا۔ امام کی نظر میں اتحاد کی نعمت اتنی اہم ہے کہ اگر باطل پر اکٹھے والے بھی اپنے باطل پر متحد رہیں تو اس کے فائدے سے وہ بھی بہرہ مند ہونگے۔ اس تناظر میں امامؑ نے پیغمبرﷺ اسلام کی بعثت کے بعد اتحاد اور ہم بستگی کے سایہ میں مسلمانوں کو حاصل مادی اور معنوی نعمات الٰہی کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا ہے:

"دیکھو اللہ نے ان پر کتنے احسانات کیے کہ ان میں اپنا رسول بھیجا کہ جس نے اپنی اطاعت کا انہیں پابند بنایا اور انہیں ایک مرکز وحدت پر جمع کر دیا اور کیونکہ خوش حالی نے اپنے پروبال ان پر پھیلا دیئے اور ان کے لیے بخشش و فیضان کی نہریں بہادیں اور شریعت نے انہیں اپنی برکت کے لیے بے بہا فائدوں میں لپیٹ لیا۔" (17)

اسی طرح امامؑ نے ایک اور موقع پر اتحاد کو نصرت الٰہی اور امداد حق کا موجب سمجھا ہے۔ آپ نے خوارج کو شر پسندی چھوڑنے اور مسلمانوں کے پرامن طبقے کی صف میں شامل ہونے کی نصیحت کے دوران فرمایا:

"تم اسی راہ پر جمے رہو اور اسی بڑے گروہ کے ساتھ لگ جاؤ چونکہ اللہ کا ہاتھ اتفاق و اتحاد رکھنے والوں پر ہے اور تفرقہ و انتشار سے باز آجاؤ اس لیے کہ جماعت سے الگ ہو جانے والا شیطان کے حصہ میں چلا جاتا ہے۔" (18)

اسی طرح امام نے متحد رہنے والوں کو فتح و کامرانی کی نوید سنائی ہے چاہے وہ باطل پر ہی کیوں نہ ہو اسی حوالے سے آپ نے کوفیوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

"اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یہ قوم (اہل شام) تم پر غالب آکر رہے گی اس لیے نہیں کہ ان کا حق تم سے فایق ہے بلکہ اس لیے کہ وہ اپنے ساتھی کی طرف باطل پر ہونے کے باوجود لپکتے ہیں تم میرے حق پر ہونے کے باوجود سستی کرتے ہو۔" (19)

اسی طرح امامؑ نے اتحاد کے فوائد کو ذکر کرتے ہوئے اس جانب بھی اشارہ کیا ہے کہ متحد قومیں تاریخ میں فاتح، مستحکم اور صاحب اقتدار و عظمت رہی ہیں یہ سنت ابتدائے آفرینش انسان سے جاری رہی ہے اس کی زندہ مثال ظہور اسلام کے بعد ہمارے سامنے آئی۔ ایک بکھری ہوئی قوم کو پیغمبرﷺ نے جس طرح متحد کرکے دنیا کی باعزت اور طاقتور قوم کی شکل میں تبدیل کیا وہ ہر زمانے میں مسلمانوں کے لیے نمونہ عمل ہے۔

امام جس طرح اپنی رعایا اور قوم کی نااتفاقی کا رونا رو رہے تھے وہی صورتحال بلکہ اگر مبالغہ نہ ہو تو اس سے حد درجہ بدتر صورتحال سے آج کے مسلمان کی ہے۔ ایک طرف آپس کی نااتفاقی دوسری طرف طاغوت کی یلغار، اسی طرح خوارج صفت عناصر کا ظہور ایک طرف تو دوسری طرف مذہبی عصبیت کی گھناونی شکل نے مسلمانوں کو ناگفتہ بہ صورتحال سے دوچار کیا ہے۔

"غور کرو کہ جب ان کی جمعیتیں یکجا، خیالات یکسو اور دل یکساں تھے اور ان کے ہاتھ ایک دوسرے کو سہارا دیتے اور تلواریں ایک دوسرے کی معین و مددگار تھیں اور ان کی بصیرتیں تیز اور ارادے متحد تھے، تو اس وقت ان کا عالم کیا تھا کیا وہ اطراف زمین فرمانروا اور دنیاوالوں کی گردنوں پر حکمران نہ تھے؟ اور تصویر کا یہ رخ بھی دیکھو کہ جب ان میں پھوٹ پڑ گئی، یکجہتی درہم و برہم ہو گئی، ان کی باتوں اور دلوں میں اختلافات کے شاخسانے پھوٹ نکلے اور وہ مختلف ٹولیوں میں بٹ گئے اور الگ جتھے بن کر ایک دوسرے سے لڑنے بھڑنے لگے، تو ان کی نوبت یہ ہو گئی کہ اللہ نے ان سے عزت و بزرگی کا پیراہن اتار لیا اور نعمتوں کی آسائشیں ان سے چھین لیں اور تمہارے درمیان ان کے واقعات کی حکایتیں عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے عبرت بن گئی۔"

اسی خطبے میں ہی امامؑ مسلمانوں کو اسلام کے سائے میں وحدت کے ساتھ زندگی گزارنے کے نتیجے میں جو نعمتیں عطا کی تھیں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے صدر اسلام کے، مسلمانوں کی عزت، شان و شوکت اور سربلندی کا خاص حوالہ دے رہے ہیں۔ اسی تناظر میں امام نے فرمایا:

" (اسلام کی وجہ سے ان کی وحدت کے ساتھ جو زندگی تھی اس) کے تمام شعبے (نظم وترتیب سے) قائم ہو گئے اور ان کے حالات (کی درستگی) نے انہیں غلبہ و بزرگی کے پہلو میں جگہ دی اور ایک مضبوط سلطنت کی سربلند چوٹیوں میں (دین و دنیا کی) سعادتیں ان پر جھک پڑیں وہ تمام جہان پر حکمران اور زمین کی پہنائیوں میں تخت و تاج کے مالک بن گئے اور جن پابندیوں کی بنا پر دوسروں کے زیر دست تھے۔ اب یہ انہیں پابند بنا کر ان پر مسلط ہو گئے اور جن کے زیر فرمان تھے ان کے فرمانروا بن گئے۔ نہ ان کا دم خم ہی نکالا جاسکتا ہے اور نہ ان کا کس بل توڑا جاسکتا ہے۔" (20)

امامؑ کے ان فرامین سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کی عزت اور شان و شوکت وحدت اسلامی کے سائے میں ہی ممکن ہے۔ جس طرح رسول گرامی اسلام ﷺ کی حیات طیبہ میں مسلمانوں کو اللہ نے اپنی الطاف خاص کا مستحق ٹھہرا کے دنیا کے سامنے سربلند کیا اور انہیں اجتماعی، سیاسی اور مذہبی طاغوتوں پر غلبہ عطا کیا آج بھی یہ سنت الٰہی مسلمانوں کے لیے میسر ہے۔ اگر موجودہ دور میں مسلمان دوبارہ اسلام کی حیات بخش تعلیمات کی روشنی میں اپنی روش اور طریقہ زندگی کو بدلنے کا مصمم ارادہ کر لیں تو خدا بھی ان کی حالت کو تبدیل کرے گا یہ خدا کا وعدہ بھی ہے۔ مسلمانوں کی مشکل یہ ہے کہ اپنی کمزوریوں پر غور کیے بغیر دوسروں کو ہی قصوروار ٹھہرانے کی وجہ سے ان میں سوچنے، سمجھنے اور مسائل کا حل نکالنے کی ختم ہو گئی ہے۔ اگر مسلمان آج استعماری طاقتوں کی سیاسی، اقتصادی اور ریاستی دہشتگردی کی زد میں ہیں تو اس کے مقابلے میں متحد ہو کے ایک پالیسی اپنانے سے انہیں کس نے روکا ہے؟۔ بنابراین امامؑ، اُمت کو اس اہم خدائی نعمت کی جانب متوجہ کر رہے ہیں کہ اگر دوبارہ اپنی عظمت رفتہ کی بازگشت چاہتے ہو تو لازمی طور پر اسلامی تعلیمات کے زیر سایہ متحد ہونا ہوگا۔

تفرقہ کے نقصانات

موجودہ دور میں مختلف ادیان کے پیروکاروں کے درمیان بدگمانی، شدید عداوت اور دشمنی پائی جاتی ہے۔ ہر دین کے پیروکار دوسرے دین کو باطل اور ان کے پیروکاروں کو کافر جہنمی اور مبغوض خدا سمجھتے ہیں۔ ان کے ساتھ محبت حرام اور اسے ایمان کی کمزوری کی نشانی قرار دیتے ہیں۔ تمام ممکنہ ذرائع و وسائل سے دوسرے ادیان کی تخریب اور ان کے پیروکارون کو فاسد کرنے میں سرگرم ہو جاتے ہیں۔ ان کے اندر اپنے جاسوس اور ایجنٹوں کے ذریعے فتنہ و فساد اور اختلافات کی آگ بھڑکاتے ہیں۔ بنابراین اس قسم کے عناصر سے مسلمانوں کو ہمہ جہت اور ہمہ وقت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کی باہمی دشمنی اور ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑوں اور اختلافات سے اسلام دشمن خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ پوری تاریخ پر محیط مسلمانوں کے مذہبی فسادات اور اختلافات میں کوئی فریق نابود نہیں ہوا۔ البتہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اختلافات کے نتیجے میں

مسلمانوں اور اسلامی معاشرے کا بہت نقصان ہوا ہے نیز مسلمانوں کی تہذیبی، ثقافتی، سائنسی اور صنعتی ترقی کو بڑا ضرر پہنچا ہے۔ اس قسم کے ناقابل جبران نقصانات کو سامنے رکھتے ہوئے امامؑ نے اتحاد کے فوائد کے ساتھ تفرقہ کے نقصانات کو بھی بیان کیا ہے اور تفرقہ کو نعمات الٰہی اور عزت و کرامت کے چھن جانے کا سبب قرار دیا ہے اس ضمن میں فرمایا ہے:

''جب ان میں پھوٹ پڑ گئی یکجہتی درہم برہم ہو گئی، ان کی باتوں اور دلوں میں اختلافات کے شاخسانے پھوٹ نکلے، اور وہ مختلف ٹولیوں میں بٹ گئے اور ایک الگ جتھے بن کر ایک دوسرے سے لڑنے بھڑنے لگے، تو ان کی نوبت یہ ہو گئی کہ اللہ نے ان سے عزت و بزرگی کا پیراہن اتار لیا اور نعمتوں کی اسائشیں ان سے چھین لیں اور تمہارے درمیان ان کے واقعات کی حکایتیں عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے عبرت بن کر رہ گئے۔'' (21)

امامؑ اختلافات کے عواقب اور نقصانات کے ضمن میں صدر اسلام کے ان ناخوشگوار حالات کا حوالہ دے رہے ہیں جہاں امامؑ کے بقول بہت سے لوگ وفات رسول اکرم ﷺ کے بعد آپس کی نااتفاقی کی بدولت ہدایت سے ہاتھ کھینچ رہے تھے۔ اس دور کے حالات کو امامؑ ان الفاظ میں بیان کر رہے تھے:

''وہ لوگ گمراہی کے راستوں پر لگ کر اور ہدایت کی راہوں کو چھوڑ کر (افراط و تفریط) کے دائیں بائیں راستوں پر ہو لیے ہیں جو بات کہ ہو کر رہنے والی اور محل انتظار میں ہو اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ۔'' (22)

اس کے علاوہ امامؑ کوفیوں میں سے ایک گروہ کی تفرقہ انگیزی کا حوالہ دیتے ہوئے ان کی مذمت کر رہے ہیں اور انہیں ہدایت سے نکلے ہوئے لوگوں کے طور پر متعارف کرا رہے ہیں چونکہ وہ نہروان کی جنگ سے پہلے کوفہ میں اختلافات اور بغاوت کو ہوا دے کر سپاہ خوارج سے پیوستہ ہو گئے تھے۔ امامؑ ان لوگوں کے بارے میں فرما رہے ہیں:

''آج تو شیطان نے انہیں تتر بتر کر دیا ہے اور کل ان سے اظہار بیزاری کرتا ہوا ان سے الگ ہو جائے گا ان کا ہدایت سے نکل جانا، گمراہی و ضلالت میں جا نا پڑنا حق سے منہ پھیر لینا اور ضلالتوں میں منہ زوریاں دکھانا ہی ان کے (مستحق عذاب) ہونے کے لئے کافی ہے۔'' (23)

اس کے علاوہ امام کی نگاہ میں تفرقہ اور اختلافات شکست ناقابل جبران کا باعث بنتی ہے اسی لیے ان سے پرہیز کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ شکست کسی خاص معاملے تک محدود نہیں یہ ہمہ جانب اور ہمہ گیر ہو سکتی ہے اگرچہ امامؑ جنگی شکست کا تذکرہ کر رہے ہیں مگر اس کے عواقب کو وقت کے ساتھ دیکھیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ جس معاملے میں بھی اختلافات نمایاں ہوں وہاں شکست یقینی ہے۔ امام کوفیوں کو تفرقہ انگیزی کے ضمن میں فرما رہے ہیں:

''تمہاری مثال تو ان اونٹوں کی سی ہے جن کے چرواہے گم ہو گئے ہوں اگر انہیں ایک طرف سے سمیٹا جائے تو دوسری طرف سے تتر بتر ہو جائیں گے۔ خدا کی قسم تم جنگ کے شعلے بھڑکانے کے لیے بہت برے ثابت ہوئے ہو تمہارے خلاف سب تدبیریں ہوا کرتی ہیں اور تم دشمنوں کے خلاف کوئی تدبیر نہیں کرتے تمہارے شہروں کے حدود (دن بہ دن) کم ہوتے جا رہے ہیں مگر تمہیں غصہ نہیں آتا وہ تمہاری طرف سے کبھی غافل نہیں ہوتے اور تم ہو کہ غفلت میں سب کچھ بھولے ہوئے ہو۔ خدا کی قسم ایک دوسرے پر ٹالنے والے ہارا ہی کرتے ہیں، خدا کی قسم میں تمہارے متعلق یہی گمان رکھتا ہوں کہ اگر جنگ زور پکڑلے اور موت کی گرم بازاری ہو تو تم علی ابن ابی طالبؑ سے اس طرح کٹ جاوگے جس طرح بدن سے سر۔'' (24)

بہر حال امامؑ کے ان نورانی فرامین سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قوموں کی عزت و شرافت اتحاد میں مضمر ہے امام اگرچہ اپنی رعایا کی مذمت کرتے ہیں اور انہیں اپنے اختلافات کو بھلا کے اتحاد کی دعوت دے رہے ہیں مگر امام کی یہ ندا اس دور سے زیادہ آج کے مسلمانوں کے لیے شفا بخش دوا کی حیثیت سے کم نہیں۔ اس وقت کے مسلمان اندرونی اختلافات کا شکار تھے جبکہ آج کے مسلمان اندرونی اختلافات کی بھیانک شکل سے

دوچار ہیں اور بیرونی محازوں پہ دشمن ہر گزرتے لمحے مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کا سامان فراہم کر رہا ہے ایسے کھٹن لمحے میں اسلام کے ان عظیم رہبروں کی ہدایت بخش تعلیمات کو مشعل راہ قرار دے کر امت کی رہنمائی کے لیے ان کو عملی شکل دینے کی ضرورت ہے۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کے درمیان اختلافات متنوع اور مختلف ہونے کے ساتھ نہایت پیچیدہ بھی ہیں۔ یہ اختلافات خود بخود ختم ہونے والے نہیں۔ اگر امت اسلامی کا درد اور دینی غیرت رکھنے والے ہوشیاری اور تدبر کے ساتھ روکنے کی کوشش کریں تو ممکن ہے کہ کسی حد تک اس میں کمی آجائے اور اس کے برے اثرات کم ہو جائیں۔ یہ کوشش امت محمدیہ اور اسلامی دنیا کی سب سے بڑی خدمت ہو گی یہی امام علی علیہ السلام کی خواہش بھی ہے اور ان کی سیرت بھی۔

*****

حوالہ جات

1۔ سید رضی، نہج البلاغہ (ترجمہ مفتی جعفر حسین) خطبہ ۱۹۰، ص ۵۳۱، امامیہ کتب خانہ، لاہور۔

2۔ ایضا، مکتوب ۶۲، ص ۷۸۰

3۔ ایضا، خطبہ، ۱۸، ص ۱۳۳

4۔ ایضا، مکتوب، ۵۸، ص ۷۷۶

5۔ ایضا، مکتوب، ۴۷، ص ۷۹۹

6۔ ایضا، خطبہ ۱۲۳، ص ۳۵۰

7۔ ایضا، خطبہ ۱۲۵، ص ۳۵۴

8۔ ایضا، خطبہ ۱، ص ۷۶

9۔ خطبہ ۳۳، ص ۱۷۱

10۔ ایضا، خطبہ ۹۳ ص ۲۸۴

11۔ ایضا، خطبہ ۹۴ ص ۲۸۵

12۔ ایضا، خطبہ ۲۱۴، ص ۵۹۲،

13۔ ایضا، خطبہ، ۲۱۳، ص ۵۹۲

14۔ ایضا، خطبہ ۱۴۴، ص ۳۸۴

15۔ ایضا، مکتوب ۷۸، ص ۸۰۲

16۔ ایضا، خطبہ ۱۹۰، ص ۵۲۷

17۔ ایضا، خطبہ ۱۹۰، ص ۵۳۰

18۔ ایضا، خ، ۱۲۵، ص ۳۵۲

19۔ ایضا، خ ۹۵، ص ۲۸۴

20۔ ایضا، خ ۱۹۰، ص ۵۲۸

21۔ ایضاً، ص ۵۲۹

22۔ ایضا، خ، ۱۴۸ ص ۳۹۲

23۔ ایضا، خ ۱۷۹ ص ۴۷۱

24۔ ایضا، خ ۳۴، ص ۱۷۲